قسط اوّل

حکیم محمود احمد ظفر

نظریہ امامت

پس منظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چند ہی سال بعد تمام دنیا نے دیکھا کہ مسلمان آندھی کی طرح قریباً نصف دنیا پر چھا گئے۔ اور اس وقت کی قیصرو کسریٰ کی سپر پاورز نے چند ہی سالوں میں اہل اسلام کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ غزوۃ الصواری میں جو سیدنا عثمان ؓ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ قیصر روم کو بحری جنگ میں ایسے کاری زخم آئے کہ وہ وہاں سے بھاگ کر سیدھا قسطنطنیہ پہنچا جہاں وہ موت تک اپنے زخموں کو چاٹتا رہا۔ کسریٰ ایران جس کی کمر ہمت سیدنا فاروق اعظم کے زمانہ میں جنگ قادسیہ میں ٹوٹ چکی تھی۔ سیدنا عثمان کے عہد خلافت میں ایک آسیا بان (چکی والے) کے ہاتھوں اس کسمپرسی کی حالت میں مرا کہ اس کے پاس چار درھم بھی نہ تھے۔ (طبری جلد 3 ص 377، ابن اثیر۔ جلد 3 ص 61) حالانکہ فتح مدائن کے وقت اسلامی سپہ سالار سیدنا سعد بن ابی وقاص کو مال غنیمت میں بیس کھرب دینار ملے تھے۔

ایک وقت ایسا تھا جب کسریٰ ایران خسرو پرویز نے 613ء میں دمشق اور 614ء میں بیت المقدس پر قبضہ کیا اور وہاں کے باشندوں پر قتل و غارت کی قیامت ڈھا دی۔ قریباً نوے ہزار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ مقدس کلیساؤں کو منہدم کر دیا گیا اصلی صلیب مقدس چھین کر مدائن پہنچا دی گئی۔ مذہبی پیشواؤں کی توہین و تذلیل کی گئی۔ ان فتوحات سے کسریٰ ایران کے کبر و نخوت کا نشہ دو آتشہ ہو گیا اور وہ غرور و تکبر سے بجائے زمین پر چلنے کے آسمان پر اڑنے لگا۔ اسی تکبر میں اس نے بیت المقدس سے ایک خط ہرقل روم کو لکھا۔

"سب خداؤں سے بڑا خدا۔ عام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینہ اور بے شعور بندے ہرقل کے نام، تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے، کیوں کہ تیرے خدا نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچا لیا"

ہرقل اس تکبر سے بھرے ہوئے خط کو پڑھ کر ڈر گیا۔ اس نے ایک ایرانی جنرل سین (SAIN) کے کہنے پر کسریٰ ایران کو صلح کا ایک خط لکھا، مگر شہنشاہ ایران خسرو پرویز نے اس خط کے جواب میں کہا۔

"مجھ کو یہ نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے۔ میں رومی حکمران سے اس وقت تک صلح نہیں کروں گا۔ جب تک وہ اپنے صلیبی خدا کو چھوڑ کر ہمارے سورج دیوتا کی پرستش نہ کرے"

تاہم جب کسریٰ ایران صلح پر آمادہ ہوا تو جو شرائط اس نے ہرقل کو پیش کیں۔ وہ یہ تھیں۔

"ایک ہزار ٹالنٹ (TALENT) سونا، ایک ہزار ٹالنٹ چاندی، ایک ہزار ریشمی تھان ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار کنواری لڑکیاں"۔

(ٹالنٹ یونانیوں اور رومیوں کا ایک قدیم وزن ہے۔)

یہ سب واقعات ایڈورڈ گبن (EDWARD GIBBON) نے اپنی مشہور کتاب (THE HISTORY OF THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE) کی پانچویں جلد میں لکھے ہیں۔ لیکن جب ان شرائط کا ذکر اس نے کیا ہے تو ان کو (IGNOMINIOUS TERMS) کہا ہے۔ اور ہیں بھی یہ واقعی شرمناک

شرائط، لیکن کسریٰ ایران کے اس رویے سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ کس قدر متکبر، پراز نخوت وغرور اور رعونت پسند تھا۔ اور وہ اپنے کو خدائی کے مقام پر رکھے ہوئے تھا۔

چشم فلک نے وہ نظارہ بھی دیکھا کہ یہی متکبر اور نخوت پسند کسریٰ ایران یزد جرد چودہ میل کا پیدل سفر کر کے ایک آسیابان (چکی والے) کے گھر پہنچتا ہے اور حالت یہ ہے "لاورق لہ" (اس کے پاس کوئی نقدی نہیں) (تفصیل میری کتاب سیدنا عثمان۔ شخصیت اور کردار جلد اول میں ملاحظہ فرمائیں۔)

کسریٰ ایران کی یہ حالت امت مسلمہ کے ایک نابغہ روزگار فاروق اعظم نے بنائی اور اتنی عظیم الشان سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ یہاں تک کہ کسریٰ کی بیٹیاں لونڈی بن کر دیار فاروقی میں آئیں۔

ادھر ایک طرف یہ ایرانی تھے تو دوسری طرف یہود بے بہبود جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عین حیات میں پہلے مدینہ طیبہ سے اور پھر خیبر اور اس کے ارد گرد کے قلعوں سے نکال باہر کیا تھا۔ اور اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنی امت کو ارشاد فرمایا تھا۔

اخرجوا الیہود من جزیرۃ العرب یہودیوں کو عرب کے جزیرہ سے باہر نکال دینا۔ (بخاری جلد 1 ص 449)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی تکمیل سیدنا فاروق اعظم نے کی اور تمام یہودیوں کو جزیرہ عرب سے نکال باہر کیا۔

یہودیوں اور ایرانیوں نے جب دیکھا کہ میدان جنگ میں وہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکے اور جنگ کے ہر محاذ پر انہوں نے شکست فاش کھائی ہے۔ تو انہوں نے اپنی اس ذلت و رسوائی کا انتقام لینے کے لئے ایک تحریک چلائی جس کی فصل کو آج تک کاٹا جا رہا ہے۔ اور امت مسلمہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دولخت کر دیا گیا۔

ہوا یہ کہ یہودیوں میں سے ایک شخص عبداللہ بن سباء نے زیر زمین اپنی قوم کو اکٹھا کیا، لیکن اس کی سیاسی بصیرت نے اسے یہ بتایا کہ اکیلی یہودی قوم کسی صورت بھی مسلم قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتی لہذا اسے ایک دوسری قوم کی تلاش ہوئی۔

سیدنا فاروق اعظم کے زمانہ میں ایران فتح ہو گیا اور اس پر بجائے درفش کاویانی کے سبز ہلالی پرچم لہرانے لگا، لیکن ایرانی قوم کی ذہنی زمین اسلامی اقدار اور عقائد واحکام کے برگ و بار نکالنے کے بجائے اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کی فصلیں اگانے لگی۔ ان میں سے چند لوگوں کے سوا اکثریت طبعی تدین اور اعتدال مزاج کی بیش بہا دولت سے محروم ہونے کی وجہ سے وطن کی جغرافیائی حدود کو اسلام کی اصولی ملت سے ہر طرح اعلیٰ اور فائق سمجھتی تھی اور وہ بجائے دینی اقدار کے سیاسی اور وطنی اقدار کو زیادہ اہمیت دیتی تھی۔ اس وجہ سے وہ کبھی بھی ایرانیوں پر عربوں کے سیاسی تفوق و برتری کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

یہودیوں نے ایرانیوں کی اس نفسیاتی کمزوری سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، لہذا بانئی تحریک عبداللہ بن سباء نے سب سے پہلے سیدنا فاروق اعظم کے خلاف یہ پراپیگنڈہ شروع کیا کہ وہ غاصب، جابر اور کتاب اللہ کو مسخ کرنے والے تھے۔ ایرانی پہلے ہی سے سیدنا عمر سے نالاں تھے کیونکہ وہ غارت گر عجم تھے، لہذا انہوں نے اس پراپیگنڈے میں بہت ساتھ دیا اور تکنیک یہ اختیار کی گئی کہ شاہان عجم کو جبر و غصب کا مظلوم قرار دینے کے بجائے بنو ہاشم قرار دیا جانے لگا۔ تاکہ اس سے ایک تو عربوں میں باہم تفریق پیدا ہو جائے اور دوسرے اس طریقہ سے بنو ہاشم اور دوسرے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کی جا سکیں۔ چنانچہ مشہور مستشرق ڈاکٹر براؤن نے لکھا ہے۔

"راشدین میں سے دوسرے خلیفہ حضرت عمر سے جو اہل عجم متنفر ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمر غارت گر عجم تھے۔ اگرچہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دے دیا گیا۔ لیکن اصل حقیقت اندر سے صاف نظر آتی ہے" (تاریخ

ادبیات ایران جلد 1 ص 217)

ایک اور مقام پر ڈاکٹر براؤن نے لکھا ہے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ایرانیوں کو حضرت عمر سے جو عداوت ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ انہوں نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے حقوق کو غصب کیا تھا بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے ایران کو فتح کرکے ساسانی خاندان کا خاتمہ کر دیا تھا۔

(تاریخ ادبیات ایران جلد 4 ص 47-48)

اس سلسلہ میں ڈاکٹر براؤن نے ایرانی شاعر رضائے کرد کے یہ دو شعر بھی نقل کئے ہیں۔ جن سے سیدنا عمر سے ایرانیوں کے بغض و عناد کی وجہ صاف طور پر معلوم ہو جاتی ہے۔

بشکست عمر پشت ہژبران اجم را

بر باد فنا داد رگ و ریشۂ جم را

ایں عربدہ بر غصب خلافت ز علی نیست

با آل عمر کینہ قدیم است عجم را

سیدنا عمر نے جنگل کے شیروں یعنی اہل ایران کی کمر توڑ کر رکھ دی اور جمشید خاندان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دیا۔ اہل ایران کا سیدنا عمر سے یہ سارا جھگڑا اس وجہ سے نہیں کہ سیدنا عمر نے سیدنا علی کی خلافت غصب کر لی تھی۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اہل ایران کی آل عمرانہ سے پرانی دشمنی چلی آرہی ہے (جس کی وجہ سیدنا عمر کے ہاتھوں ساسانی حکومت کی بربادی ہے) (تاریخ ادبیات ایران جلد 4 ص 49)

مختصر یہ کہ اس سیاسی پرخاش اور عربوں کے اس سیاسی تفوق کی وجہ سے اہل ایران نے سیدنا فاروق اعظم کے خلاف عبداللہ بن سباء اور دیگر مسلم نما یہودیوں کے ساتھ مل کر سازشوں کے زمین دوز بم بچھانے شروع کر دیے جو کہ صولت فاروقی کی وجہ سے خلافت فاروقی میں تو نہ پھٹ سکے لیکن خلافت فاروقی کے آخری سالوں میں انہوں نے ایک دفعہ تو پوری ملت اسلامیہ اور مملکت اسلامیہ کو ہلا کر رکھ دیا۔

بنوہاشم کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے اہل ایران نے ایک حربہ یہ استعمال کیا کہ ساسانیوں کے طرز حکومت کی طرح اسلام میں بھی " بادشاہت کا الہی حق " RIGHT OF KINGS DIVINE کا عقیدہ وضع کیا گیا اور پھر اس کا خوب پراپیگنڈہ کیا گیا۔ یہ عقیدہ ایران میں نسلاً بعد نسل چلا آرہا تھا۔ چنانچہ براؤن نے لکھا ہے۔

"ساسانیوں کے عہد میں بادشاہوں کے آسمانی حق کا عقیدہ جس تعمیم اور شد و مد کے ساتھ ایران میں پالا گیا۔ غالباً اس کی مثال کسی دوسرے ملک میں نہیں ملتی"

(تاریخ ادبیات ایران جلد 1 ص 215)

اس عقیدے کے پرچار اور خاندان رسالت کے ساتھ اس کی خصوصیت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ سیدنا عمر کے زمانے میں جب اسلام اپنی پوری شان اعجاز کے ساتھ ایران پر غالب آیا اور ایرانی بادشاہ یزدگرد جو کہ ساسانی خاندان کی آخری یادگار تھا۔ اپنی تمام حشمت و جاہ کے باوجود اہل اسلام سے شکست کھا گیا اور اسکا سارا مال و متاع دربار فاروقی میں مال غنیمت کے طور پر پیش ہوا۔ اور اس کی لڑکیاں لونڈیاں بن کر سیدنا عمر کے حضور میں آئیں اور اہل اسلام میں تقسیم ہوئیں۔ چنانچہ سیدنا حسین کی بیوی شہر بانو اسی یزدگرد کی بیٹی تھی۔ (اصول کافی مع شرح الصافی جلد 3 حصہ 2 ص 204 فیوض قاسمیہ از حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی ص 16-17، تاریخ ادبیات ایران جلد 1 ص 218، جلد 4 ص 29، تجلیات روح ایران در ادوار، تاریخی از حسین کاظم زادہ ص 96 منتخب التواریخ از محمد ہاشم بن محمد علی الخراسانی ص 299، عمدہ الطالب ص 192 وغیرھم) لہذا اہل ایران نے بنوہاشم کو اور خصوصی طور پر اولاد علی کو تخت و تاج حاصل کرنے کا یہ حق دیا کیونکہ ان کا رشتہ

پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملتا تھا۔ اور آل ساسان سے بھی، چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے۔

"حضرت حسینؓ کی نسبت چونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ انہوں نے ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگرسوم کی بیٹی شہر بانو سے عقد کیا تھا، اس لئے شیعوں کے دونوں فریق اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے نزدیک (ان کے اپنے اپنے ائمہ) نہ صرف پیغمبری بلکہ شاہی حقوق وصفات کے وارث بھی ہیں۔ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان اماموں کا خون ملتا ہے۔ اور آل ساسان سے بھی رشتہ ہوتا ہے۔ اس تعلق سے ایک سیاسی عقیدہ پیدا ہو گیا۔ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۱ ص 218)

ایک اور مقام پر یہی انگریز نقاد لکھتا ہے۔

"تیسرے امام حضرت امام حسین کے زمانے میں، جو حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے ایک دوسرا ہی عنصر پیدا ہو گیا، کیونکہ متقدمین اور مستند مؤرخین مثلاً الیعقوبی وغیرہ کے بیان کے مطابق ایران کے آخری ساسانی تاجدار یزدگرد سوم کی ایک دختر حضرت امام حسین کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ اور ان سے ایک صاحبزادے الموسوم بہ علی، الملقب بہ زین العابدین تھے۔ جو چوتھے امام تھے۔ وہ ایک طرف اولاد فاطمہ سے تھے تو دوسری جانب ایرانی خاندان شاہی سے بھی تعلق رکھتے تھے" (تاریخ ادبیات ایران جلد 4 ص 29)

یہ ایک انگریز مؤرخ کا بیان تھا۔ اب ایک ایرانی مؤرخ جو کہ مذہباً شیعہ ہے اسکا بیان ملاحظہ فرمائیے۔ حسین کاظم زادہ اپنی تصنیف "تجلیات روح ایران در ادوار تاریخی" میں شہر بانو دختر یزدگرد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد کی دختر شہر بانو ایرانی قیدیوں کے ساتھ عمر بن الخطاب کے سامنے پیش ہوئیں۔ انہوں نے اسے بھی قیدیوں کے ساتھ بازار میں فروخت کیے جانے کا حکم دیا۔ حضرت علی اس بات میں مانع ہوئے اور کہا کہ بادشاہ زادگان اور شریفوں کو ننگے سر بازار لے جانا خلاف ادب ہے۔ بالآخر وہ تقسیم ہوئیں۔ اور حضرت حسین بن علی کے حصہ میں آئیں"۔

چند سطور کے بعد یہی مصنف لکھتا ہے۔

اسی سبب سے حضرت علی کا خاندان ایرانیوں کی نگاہ میں اصل نسل کی اعتبار سے ساسانی نسب رکھتا ہے اور رسول خدا سے رشتہ کی بنا پر شرافت اور امتیاز سے بھی مخصوص تھا۔ صرف اسی سبب سے یہ خاندان جائز طور پر کیانی تخت و تاج کا مالک ہو سکتا ہے۔ نیز اسی وجہ سے امام حسین کے فرزند زین العابدین کو جو شہر بانو کے بطن سے تھے عرب و عجم کا فرکہتے ہیں۔ کیونکہ باپ کی جانب سے ان کا نسب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ جو کہ عربوں میں بزرگ ترین شخصیت تھے۔ اور ماں کی طرف سے روئے زمین کے نجیب ترین بادشاہوں پر منتہی ہوتا ہے۔

(تجلیات روح ایران در ادوار تاریخی ص 96)

اولاد علی اور خصوصی طور پر سیدنا حسین کی اولاد کا سلسلہ ایک طرف سے آل ساسان سے قائم کر کے اور دوسری طرف سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استوار کر کے "بادشاہت کا الہی حق" جو ساسانیوں کو ان لوگوں نے دیا تھا، وہی اولاد علی کو بھی دینا چاہا۔ اور سرزمین عرب میں اس ساسانی نظریہ کو ایک اسلامی عقیدہ کے رنگ میں پیش کیا جانے لگا۔

عرب لوگ فطرتاً شورائی نظام کے قائل تھے اور اب اسلام نے بھی ان کو "وشاورھم فی الآمر" اور "وامرھم شوریٰ بینھم" کی تعلیم دی تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ کا انتخاب بھی اسی شورائی نظام کے تحت ہوا تھا، لہذا ایرانیوں کے اس نظریہ کی تشہیر عربوں اور ایرانیوں کے امتزاج کے دو زبردست اصولوں کا ٹکراؤ تھا جس نے ایک ایسے فتنہ کی بنیاد ڈالی جس کے برگ و بار سے ابھی تک شیعہ سنی منافرت پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے۔

"شیعہ اور سنی کا جھگڑا صرف ناموں یا شخصیتوں کا جھگڑا نہیں بلکہ دو متضاد اصولوں یعنی جمہوریت اور" بادشاہوں کے

الٰہیٰ حق' کا جھگڑا ہے۔ عرب زیادہ تر جمہوریت پسند تھے اور ہمیشہ رہے ہیں۔ لیکن ایرانی ہمیشہ بادشاہوں کو الٰہی یا نیم الٰہیٰ ہستیاں سمجھتے رہے ہیں۔ جو طبائع اس بات تک کو گوارا نہیں کر سکتیں۔ کہ انسانوں کا منتخب کردہ کوئی شخص ان کی ریاست کا حاکم ہو وہ امام یعنی خلیفتہ الرسول کے انتخاب عمومی کو کیوں کر تسلیم کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایران ہمیشہ اسماعیلیہ اور امامیہ فرقوں کا مرکز بنا رہا۔

(تاریخ ادبیات ایران جلد 4 ص 29۔30)

"نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں میں قرآن و سنت کی رو سے جہاں یہ نظریہ تھا کہ اسلام کا خلافتی نظام شورائی بنیادوں پر قائم ہے۔ وہاں اب خفیہ تحریکوں کے ذریعے اس نظریہ کا پرچار ہونے لگا کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کے برادر عم زاد اور ان کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ شوہر حضرت علیؓ کو ان کا جانشین ہونا چاہیئے تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی انہیں نامزد فرمایا تھا۔ نیز یہ کہ حضرت علیؓ کے بعد خلافت ان کے خاندان میں بطور حق الٰہی کے منتقل ہونی چاہیئے تھی" (تاریخ ادبیات ایران جلد 4 ص 28)

خلاصہ یہ کہ یہودیت و مجوسیت کے اس گٹھ جوڑ سے جو ملغوبہ تیار ہوا اس نے خلافت اسلامیہ کے خلاف خفیہ تحریک چلائی اور ملت اسلامیہ میں تشتت و افتراق کا جو بیج بویا۔ سیدنا عمر کے عہد خلافت میں اس کو زیادہ برگ و بار لانے کا موقع نہ مل سکا۔ کیونکہ سیدنا عمر کی صولت و رعب نے اس فتنہ کے آتشیں لاوے کو باہر نہ نکلنے دیا، چنانچہ مجوسیوں نے ابولولو فیروز مجوسی ایرانی سے ایک خاص سازش کے تحت سیدنا عمر کو شہید کرا دیا۔

سیدنا عمرؓ کی شہادت اور آپ کے جانشین سیدنا عثمانؓ کی نرم دلی سے اس تحریک کو اپنے برگ و بار نکالنے کا موقع ملا۔ اور بانی تحریک عبداللہ بن سباء (1) مسلم نما یہودی نے ملک کے مختلف گوشوں میں اپنے پراپیگنڈے کے خفیہ مراکز قائم کر کے سلطنت اسلامیہ میں تشتت و افتراق کے ڈائنامیٹ لگانے شروع کر دیئے۔ قائد تحریک عبداللہ بن سباء نے ملک کے مختلف شہروں میں دورے کرنے شروع کر دیے۔ وہ بڑا لسان اور سازشی ذہن کا مالک تھا لہذا اس نے اپنی سازشانہ قوت سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی سالوں میں ملک کی امن و عافیت کی ساکن فضاء میں فتنہ و فساد کی لہریں دوڑنے لگیں۔ اور لوگوں کے قلبی اور ذہنی سکون میں ایک ارتعاش پیدا ہو گیا۔

(البدایتہ والنہایتہ جلد 7 ص 168، طبری جلد 5 ص 94)

عبداللہ ابن سباء کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو رجال کشی ص 101، عراق، تنقیح المقال جلد 2 ص 184 فرق الشیعہ ص 43، عراق۔ البدایتہ والنہایتہ جلد 7 ص 167

اس تحریک اور اس کے بانی نے طریق کار یہ اختیار کیا کہ ایک طرف تو صحابہ کرام خصوصاً سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان کو ظالم، منافق اور غاصب وغیرہ کے الفاظ سے یاد کیا۔ (العیاذ باللہ) اپنی کتابوں میں ان کے بارہ میں وہ کلمات لکھے جن کو کوئی شخص نہ پڑھ سکتا ہے اور نہ سن سکتا ہے۔ چنانچہ ملّا باقر مجلسی نے لکھا کہ جہنم کے سب سے نچلے اور ساتویں طبقے میں دو شخص دیکھے گئے جن کو الٹا لٹکایا گیا ہے اور ان کی گردنوں میں آگ کی زنجیریں ہیں اور ان کو لوہے کے گرزوں سے پیٹا جا رہا ہے۔ شیطان کہتا ہے کہ میں نے حق تعالیٰ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جواب ملا۔
اینہا دو دشمن ایشاں و دو ستم کنندہ برایشاں اند یعنی ابوبکر و عمر (یہ دو اہل بیت کے دشمن ہیں۔ اور ان پر ظلم کرنے والے ہیں یعنی ابوبکر اور عمر) (حق الیقین ص 510)

بلکہ یہاں تک لکھا گیا۔ ہر دو (ابوبکر و عمر) کافر بودند و ہر کہ ایشاں را دوست دارد کافر است
ابوبکر اور عمر دونوں کافر تھے اور جو ان سے دوستی رکھے وہ بھی کافر ہے۔ (حق الیقین ص 522)

اسی ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب جلاء العیون میں کئی مقامات پر سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر کو "ملعون" کہا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ 62، 64، 229) سیدنا معاویہ کو "ملعون" کہا گیا (ص 285) امہات المومنین سیدہ حفصہ اور سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہما کو "ملعونہ" کہا گیا (ص 61، ایران) حالانکہ یہ ابوبکر اور عمر کون تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر اور سیدنا عمر سیدنا علی کے داماد اور سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ کے شوہر نامدار۔ لیکن جہاں تک ہو سکا ان کی ذات کے خلاف تبرا بازی کی گئی۔ اور ان کو ہر برے لفظ سے یاد کیا گیا۔ (معاذاللہ)

دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ مجوسیوں کے عقیدہ " بادشاہت کے الٰہی حق" کو "امامت" کا اسلامی لفظ دیا گیا۔ اور عقیدہ امامت وضع کیا گیا اور امامت کو پیغمبری سے بھی اونچا اور بالاتر قرار دیا گیا۔ چنانچہ ملا باقر ہی نے لکھا ہے۔

"مرتبہ امامت بالاتر از مرتبہ پیغمبر است"

امامت کا درجہ پیغمبری اور نبوت سے بالاتر ہے۔ (حیات القلوب جلد 303)

امام میں ہر وہ صفت تسلیم کی گئی جو نبی میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ نبی سے بھی بڑی بڑی صفات مانی گئیں۔ مثلاً ان کو حلال و حرام کا مکمل اختیار دیا گیا۔ (اصول کافی ص 278) تمام دنیا و آخرت امام کی ملکیت میں دے دے گئے۔ (اصول کافی ص 259) وہ اپنے اختیار سے مرتے ہیں اور انہیں پتہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کب مرنا ہے (اصول کافی ص 158) کائنات کی کوئی شے ان پر مخفی نہیں ہوتی (ص 159) انہیں ماکان، مایکون کا علم ہوتا ہے (ص 160) وہ اللہ کے ہاتھ، زبان، منہ اور آنکھ ہوتے ہیں (ص 84) وغیرہ

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "اسلام کا تصور نبوت" باب نبوت اور امامت)

اور اس نے مسئلہ امامت کے ذریعہ امت کے مسلمہ عقیدہ ختم نبوت کو مجروح کیا کیونکہ مسئلہ امامت درحقیقت ائمہ کو نبوت کا درجہ دینے کے مترادف ہے۔ نبی کی تین خصوصیات ہوتی ہیں۔

1۔ مفترض الطاعت مفترض اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔

2۔ منصوص من اللہ یعنی نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوتا ہے۔

3۔ معصوم عن الخطاء یعنی نبی ہر قسم کے کبیرہ اور صغیرہ گناہ سے معصوم ہوتا ہے۔

یہ تینوں صفات خاصہ نبوت ہیں۔ اور یہی تینوں صفات ان لوگوں نے امام میں تعلیم کی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ امام کو ان لوگوں نے نبی کے مقابل کھڑا کر دیا۔ اگرچہ نام اس کو امام کا دیا لیکن صفات ساری نبوت کی اس میں تسلیم کیں۔ اسی وجہ سے حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ

سألتہ صلی اللہ علیہ وسلم سوالاً روحانیاً عن الشیعۃ فاوحی الی ان مذھبھم باطل و بطلان مذھبھم یعرف من لفظ الامام ولما افقت عرفت ان الامام عندھم ہو المعصوم، المفترض طاعتہ الموحیٰ الیہ وحیاً باطنیاً وھذا ہو معنی النبی فمذھبھم یستلزم انکار ختم نبوۃ قبحھم اللہ تعالیٰ۔

میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشفی طور پر شیعہ کے بارہ میں سوال کیا آپ نے مجھے اشارہ فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے۔ اور ان کے مذہب کا بطلان لفظ "امام" سے جانا جا سکتا ہے۔ جب مجھے اس کشفی حالت سے افاقہ ہوا تو میں نے جان لیا کہ شیعہ حضرات کے نزدیک امام معصوم ہوتا ہے۔ اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ اور امام کی طرف باطنی وحی آتی ہے اور نبی کا بھی یہی مطلب ہوتا ہے پس شیعہ کا مذہب انکار نبوت کو مستلزم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا ستیاناس کرے۔

(تفہیمات الٰہیہ جلد 2 ص 250)

شاہ ولی اللہ دہلوی نے ایسا ہی تفہیمات الٰہیہ جلد 2 ص 244۔ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین ص 4 پر بھی لکھا ہے۔

یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو درمیان میں لفظ "امام" کی تفصیل و تشریح کے طور پر آگیا۔

ان دونوں طریقوں سے امت کے جاہل اور سادہ لوح لوگوں کے ذہن میں یہ بات ٹھونسی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 23 سال کے عرصہ میں صرف تین چار لوگوں کو ایمان کی دولت دے سکے اور باقی ایک لاکھ سے زائد لوگ جو حضور علیہ الصلواۃ والسلام کے ارد گرد رہتے تھے۔ (معاذ اللہ) سب منافق تھے اور اگر کوئی ان میں ایمان کا دعویدار بھی تھا تو صرف وقتی طور پر تھے۔ جونہی رسول کی آنکھ بند ہوئی تو وہ سوائے تین چار کے، سارے کے سارے ایمان سے پھر گئے۔ (ملاحظہ ہو فروع کافی جلد 3 ص 115، کتاب الروضہ، حیات القلوب جلد 2 ص 837، رجال کشی ص 8 تفسیر صافی ص 389 تحت قولہ تعالی وما محمد الارسول، شیعی عالم مامقانی نے اس روایت کو متواتر کہا ہے تنقیح المقال جلد 1 ص 216) اور وہ دو صحابہ جن کو زبان رسالت نے اپنا وزیر کہا تھا یعنی ابوبکر اور عمر اور وہ صحابی جس کو رسول نے اپنی دو بیٹیاں دی تھیں۔ وہ بھی ظالم، منافق تھے۔ (ملاحظہ ہو الصافی شرح الکافی حصہ دوم جزء سوم ص 98، کشف الاسرار ص 103) خاندان نبوت کے بارہ میں ایسی ایسی روایات گھڑی گئیں۔ جن سے یہ معلوم کرایا گیا کہ صحابہ کرام اور خصوصی طور پر سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، اور سیدنا عثمانؓ نے سیدنا علیؓ، سیدہ فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ پر بہت ظلم کیا، ان کے حقوق کو پامال کیا، ان کے حق خلافت کو غصب کیا اور ان پر ہر قسم کی زیادتی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا گیا۔

تاریخ نویسی کا آغاز بنو عباس کے دور حکومت میں ہوا۔ اس وجہ سے سبائی لوگوں نے غلط قسم کی روایات تاریخ میں درج کروادیں۔ اس ابتدائی دور میں روایات کی اتنی تحقیق جس میں افسانہ و حقائق میں پورا پورا امتیاز ہو سکے مشکل تھی۔ چنانچہ وہی روایات نقل در نقل چلتی آرہی ہیں۔ اور مواعظ اور تاریخ کی کتابوں میں ان کو زیب داستان کے لئے بیان کر دیا جاتا ہے۔

وہ خاص گروہ جو ابن سبا اور اس کی تحریک کے اراکین تھے وہ بھی ایک خاص فرقہ کی شکل اختیار کر کے سیاسی اور مذہبی لحاظ پر اہل اسلام سے آج تک برسرپیکار ہے۔

بقیہ از ص ۵۲

تلوّن مزاج واقع ہوئی ہے اس کے سیمابی مزاج کو قرار سے دشمنی ہے اور اس کی صبح کہیں اور شام کہیں ہوتی ہے۔ بچارے خوشامد کرنے والے ممدوح کی تولہ ماشہ طبیعت کے علاوہ اس کے سر پر بیٹھی ہوئی طائر اقتدار پر بھی نظر رکھنا پڑتی ہے۔ کیا پتا وہ کب پھر سے اڑ جائے اور جسے آج وہ مغفور کہہ رہا ہے کل زمانہ اُسے لنگور کہتے بھی شرمائے ع

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے!

"نہج البلاغہ تاریخ کی روشنی میں"

ایک پرمغز تحقیق اور علمی مقالہ

(محمود احمد عباسی) ——— قیمت ۱۲/-

بخاری اکیڈمی۔ دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان